ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

جہانِ دانش میں سیاسی و سماجی منظر نامہ

SOCIO-POLITICAL SCENARIO IN AUTOBIOGRAPHY "JAHAN-E-DANISH"

ڈاکٹر عرفان توحید، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر پروین کلو، ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
صائمہ اقبال ، لیکچرار شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Abstract:
The autobiography, "Jahan-e-Danish", by Ahsaan Danish, is a narrative description comprising the life-story of the author himself, who was awarded the titles "The Labourers' Poet" and "The Poet of Nature". There is a vivid observation of human psychology at one place and the complete political scenario of the contemporary era, on the other place. This autobiography is an anthology of exceptional memories of the author in which there is an obvious description of deep thought along with various aspects of fine criticism. This book can be described as a miscellany of memories of well-known personalities, a story of literary meetings of poets and writers, the feelings of the author himself and the trends and interests of a popular poet. This is, in short, a vase, full of many varied flowers and every flower has its own unique, distinct fragrance."

Key Words: Autobiography, Ahsaan Danish, Jahan-e-Danish, Political, Social, Scenario.
کلیدی الفاظ: خودنوشت، احسان دانش، جہانِ دانش، سیاسی، سماجی، منظر نامہ

آپ بیتی "جہانِ دانش"، "شاعرِ مزدور" اور "شاعرِ فطرت" القابات کے حامل ادیب کی پرجوش زندگی کے حقائق پر مبنی داستان ہے۔ اس میں جہاں انسانی نفسیات کا گہرا مشاہدہ دکھائی دیتا ہے وہاں مختلف ادوار کا مکمل سیاسی و سماجی منظر نامہ بھی ملتا ہے۔ گویا یہ سرگزشت مصنف کی ایسی دل آویز یادوں کا مرقع ہے، جس میں مشاہدے کی گہرائی کے ساتھ تنقید و تبصرہ کے مختلف پوشیدہ پہلو بھی قاری پر ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ مصنف کی خودنوشت مشاہیر زمانہ کی دل کش یادوں، ادباء و شعراء کی محافل کا احوال، مصنف کے احساسات کے ساتھ ایک قابل قدر شاعر کی ذاتی زندگی کے مختلف رجحانات و میلانات کے اظہار کا ایک دل کش گلدستہ معلوم ہوتا ہے۔ جس میں ہر پھول اپنی جدا خوشبو کا حامل ہے۔

آپ بیتی "جہانِ دانش" کی اشاعت اول ۱۹۷۳ء میں ہوئی اس کے بعد اب تک اس کے بہت سے ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ آپ بیتی کو مصنف نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے لیکن درحقیقت یہ تین حصوں پر مشتمل ہے، پہلا حصہ جس میں انھوں نے اپنی تعلیم، لڑکپن کے رجحانات، مختلف مشاغل، دوست احباب کا طرزِ عمل، اساتذہ کرام اور اپنی زندگی کی پہلی محبت "شمعی" کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔ دوسرے حصہ میں "عملی زندگی" کے عنوان کے تحت اپنی زندگی کے مصائب اور ملازمتوں کا احوال، والد کی علالت، شعر و شاعری کا شوق، کاندھلے کا ادبی ماحول، شمعی سے ملاقاتوں کا احوال، شادی اور مخلص دوستوں کا تذکرہ شامل ہے۔ آپ بیتی کے تیسرے اور آخری حصہ جس کا عنوان مصنف نے "ترکِ وطن" تحریر کیا ہے۔ یہ حصہ ۲۳۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں جن اہم امور کا بیان ملتا ہے، ان میں ترکِ وطن، شورش کاشمیری، پنجاب یونیورسٹی لاہور میں مزدوری، تلاشِ معاش، اردو پنجابی کا تقابلی احساس، شمعی کا آخری خط، منافقین کا رویہ، مشاعروں کے احوال، معاصرانہ چشمک، والد کا انتقال، تقسیم ملک کا ہنگامہ، قائداعظم کی رحلت اور قائد ملت کی شہادت کو بطور خاص اپنی داستان حیات کا حصہ بنایا ہے۔

آپ بیتی کے آغاز میں مصنف نے اپنے آبائی وطن کاندھلے کی مردم خیز مٹی کے نم ہونے کا تذکرہ بطور خاص کیا ہے کیوں کہ یہاں پر متعدد شعراء کرام، ادیبوں اور جید علماء کرام نے جنم لیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ مصنف نے اپنے ننھیال میں پرورش کے دوران جب ہوش سنبھالا تو آپ کے والد نہر جمن شرقی میں کھدائی کے ٹھیکے داروں کے پاس جماعت دار کے طور پر ملازمت کیا کرتے تھے۔ جب مزدوروں کی جماعت داری کا کام نہ ملتا تو خود ٹوکری اور پھاوڑے اُٹھا کر مزدوری کیا کرتے تھے۔ ان دنوں مصنف کی والدہ افلاس کے سبب اہل محلہ کے کپڑے سلائی کیا کرتی اور

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

اجرت پر اناج پیس کر دیتی تھیں۔

مصنف نے قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم یکتائے روزگار حافظ سیّد محمد مصطفیٰ سے اور بچپن میں سکول کی تعلیم ایک نہایت شفیق استاد منشی عبدالرحیم جلال آبادی سے حاصل کرنا شروع کر دی تھی۔ مصنف اپنے استاد کے بارے میں بتاتے ہیں کہ انھوں نے تیسری جماعت تک وہ باتیں ذہن نشین کروا دی تھیں جو کہ تا عمر ان کی علمی کم مائیگی کو چھپائے رکھے تھیں۔ مصنف اپنے ایک اور استاد منشی محمد عمر کے طرزِ عمل کا ذکر کرتے ہیں کہ ان کا رویہ بہت سخت ہوتا تھا۔ معمولی باتوں پر وہ خوب بچوں کو مارا کرتے اور سکول سے نکال باہر کرنے کی دھمکی عموماً دیا کرتے تھے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ میرے اساتذہ کی بے التفاتی یا کچھ التفات ان کے حق میں بہتر ثابت ہوا کیونکہ وہ تعلیمی میدان میں بھٹکنے نہیں پائے لیکن اپنے اس استاد کی محبت اور حوصلہ افزائی سے محروم ہی رہے۔ مصنف چوتھی جماعت میں پڑھائی کے دوران اگرچہ زیادہ خوش نہیں رہے لیکن ان کے تعلقات چند ایسے ہم جماعت دوستوں سے استوار ضرور ہونے لگے تھے، جنھوں نے مستقبل میں ان کا ساتھ نبھایا اور ان کی پرخلوص محبت ان کے لیے متاعِ حیات بنی رہی۔ احسان دانش نامساعد معاشی حالات کی بناء پر اپنی تعلیم مزید جاری نہ رکھ سکے۔ مصنف اگر اپنے ان بہی خواہوں کے والدین کو اپنی علمی پیاس بجھانے کے شوق کا ذکر کرتے تو انھیں امید واثق تھی کہ ان کے دوستوں کے والدین ضرور ان کی حاجت روائی کرتے۔ مصنف اپنے احباب سے ہمیشہ برابر کی دوستی رکھنے کے قائل تھے۔ اس وجہ سے ان کے ضمیر نے کبھی دست سوال دراز کرنا گوارا نہیں کیا کہ وہ کسی سے تعلیم کو جاری رکھنے کے لیے امداد طلب کرتے۔ دگرگوں معاشی عوامل کی بناء پر ان کو چوتھی جماعت کے بعد ہی سکول کی تعلیم کو خیر باد کہنا پڑا۔

مصنف اپنی عملی زندگی کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے ایک رشتہ دار منشی محمود علی جو کاندھلے میں بطور محرر ضلع داری تعینات تھے۔ ان سے "پٹرولی" کا کام سیکھنے لگے۔ آغاز میں مصنف ڈاک کے رجسٹروں میں چٹھیوں کی نقول، پنسال لکھنا، شجرے ملانا، آب پاشی اور آب ضائع کا اندراج کرنے لگے۔ کام میں مہارت کے باوجود دفتر میں کوئی ملازمت کی صورت نہ نکل سکی تو بہ امر مجبوری دفتر چھوڑنا پڑا۔ منشی محمود علی کے والد منشی محمد علی شجرہ نویس تھے۔ ان کے گھر آمد و رفت کے سبب مصنف کو شجرہ نویسی سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ مصنف کو چند روز میں اس کام میں بھی مہارت ہو گئی لیکن یہاں بھی قسمت نے یاوری نہ کی۔ آپ نے کچھ عرصہ دِلّی پرنٹنگ ورکس میں بطور "انک مین" کی ملازمت اختیار کی لیکن ناموافق حالات کے سبب جلد ہی ملازمت کو خیرباد کہہ کر دِلّی سے واپس کاندھلے جانا پڑا۔ بے کاری اور تنگ دستی کی وجہ سے مصنف کو بادل نخواستہ قصبہ کے ایک مہاجن کے پاس پانچ روپے ماہانہ کی تنخواہ پر نوکری کرنا پڑی۔ مہاجن امیر کبیر تھا لیکن اس کے تنگ دلانہ رویے اور غیر منصفانہ حرکات کے باعث مصنف نے اس مہاجن کی خداترس بیوی کے کہنے پر وہ ملازمت بھی چھوڑ دی۔ احسان دانش اپنی زندگی کے نشیب و فراز کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "میری عمر کی باؤلی گہری ضرور ہے لیکن اندھیری نہیں، جب میں اس میں جھانکتا ہوں تو چاروں طرف طاقوں میں چراغ جل اُٹھتے ہیں اور سیڑھیاں اس قدر روشن ہو جاتی ہیں کہ درزیں تک نظر آنے لگتی ہیں۔ مجھے میرے ماضی نے اس قدر کھندلا ہے کہ کہیں تو پٹخنیاں کھا کھا میرا بدن نیلا پڑ گیا اور کہیں چوٹل جگہیں اپنی سطح سے ابھری کی ابھری رہ گئی۔ مگر نظر میں تہ رسی آ گئی۔"(۱)

احسان دانش بچپن سے ہی فطری طور پر شعری ذوق کے حامل تھے۔ شاعرانہ میلانات کے ساتھ ساتھ قاضی محمد ذکی کے فیضان صحبت، شعر و شاعری کی مجالس سے دل چسپی، قصبے کے ارباب ذوق سے میل ملاپ اور مختلف شعراء کرام کے اشعار ازبر ہونے کے سبب مصنف بھی شعر کہنے لگے۔ شعر و شاعری سے رغبت میں "بزم شفیق" نے بھی خاصا حصہ ڈالا۔ ان دنوں قاضی محمد ذکی اور حکیم شفیق الرحمن شفاؔ کے مکان پر ایک مخصوص بزم مشاعرہ کا انعقاد ہر آٹھ دن کے بعد کروایا جاتا تھا۔ مصنف اپنے آبائی قصبہ کاندھلے کے سماجی و ادبی ماحول کے بارے میں تفصیل سے تحریر کرتے ہیں کہ جغرافیائی اعتبار سے ان کا قصبہ دلّی، سہارن پور اور میرٹھ کے قریب ہی تھا۔ اس کے باوجود وہ تہذیبی و ثقافتی،

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

علمی و ادبی لحاظ سے آس پاس کے قصبہ جات اور شہروں سے ممتاز تھا۔کاندھلے کے ادبی ماحول پر داغؔ اور ذوقؔ کی شاعری کے اثرات کو بآسانی دیکھا جا سکتا تھا:

> "کاندھلے کی شعری فضا پر داغؔ اور ذوقؔ کا رنگ غالب تھا۔شاید اس وجہ سے کہ قاضی محمد ذکی صاحب کے بڑے بھائی قاضی شیخ محمد صاحب رسواؔ استاد ذوقؔ کے سلسلے سے تھے۔اردگرد کے شہروں میں تو شعری ذوق ممکن ہے ترقی کر رہا ہو لیکن یہاں ہنوز اُسی قدیم ڈگر پر ہی شعر کہا جاتا تھا اور اشعار میں وہی ذکر و اذکار اور معاملہ بندی کا زور تھا جو جنسی تعلقات کی بنا پر ظہور میں آتی ہے۔"(۲)

آپ بیتی میں احسان دانش کا کہنا ہے کہ وہ شادی کے بعد گھریلو ذمہ داریوں کے بوجھ تلے مزید دب گئے۔مالی مصائب کو دور کرنے اور آسودگی کے لیے مصنف نے جزوقتی مزدوری کے بہت سے کام سرانجام دیئے لیکن ان کے گھر کی معاشی صورت حال ابتر ہی رہی۔ ان دنوں اجرت اتنی کم ملتی تھی جس پر ان کے والدین اور بیوی کا گزارہ بمشکل ہوتا تھا۔مصنف نے مالی حالات میں بہتری کی خاطر ایک دفعہ پھر سے لاہور جا کر مزدوری کرنے کا ارادہ باندھا۔ان دنوں لاہور میں مختلف قسم کی تعمیرات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور یہاں مزدوروں کی مانگ اور اجرت بھی بڑھ رہی تھی۔لاہور میں ویسے بھی اس دور میں مزدور طبقہ اچھا خاصا بیدار اور وہ اجارہ داروں سے اپنے جائز سماجی اور معاشی حقوق حاصل کرنے کا خواست گار بھی تھا۔اگرچہ مزدور طبقہ کی آواز اس دور میں زیادہ بلند نہیں تھی لیکن ان کے جائز مطالبات کی بات زیادہ دیر تک جبراً دبائی نہیں جا سکتی تھی۔مصنف آپ بیتی میں اپنی ترک سکونت کا احوال اور لاہور شہر کی سماجی اور معاشی صورت حال کو ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:

> "بے روزگاری سے تنگ آ کر میرے محلے کے کئی جیالے لوگ کاندھلے سے لاہور چلے آئے تھے، ان میں کچھ صندوق ساز تھے کچھ معمار، جب وہ لاہور سے کاندھلے آتے تو لاہور کے ایسے عجیب و غریب حالات و واقعات بیان کرتے کہ دل بیتاب ہو جاتا۔انارکلی کی رونق، شاہی مسجد کی عظمت، جہانگیر کے مقبرے کی صناعی اور شالامار باغ کے طبقات کی موزونیت اور نور جہاں کے مزار کی کسمپرسی ان کے موضوعات سخن رہتے۔تڑپ تڑپ جانے کے باوصف میری مجبوریوں کی دارورسن اور فرائض کی صلیب مجھے کہاں راستہ دینے لگی تھی۔"(۳)

"جہانِ دانش" میں مصنف نے سماج میں موجود جبر، معاشی اور معاشرتی اونچ نیچ پر مدلل انداز میں بحث کی ہے۔مصنف نے غربت و افلاس میں بھی جہد مسلسل اور عزت نفس جیسی خوبیوں کو رائیگاں نہیں جانے دیا بلکہ ان کو زور سے تھامے رکھا۔(۴) مصنف نے اپنی داستان محبت کو بھی اپنی سرگزشت میں مفصل انداز میں بیان کیا ہے۔بچپن میں آپ کے ایک قریبی دوست کا بھائی بہت بڑا سارنگی نواز تھا، جو کہ ایک طوائف کا سنگتی تھا۔اس طوائف کی لڑکی شمعی ان دنوں سارنگی کی سرگم سیکھ رہی تھی، مصنف شمعی پر دل و جان سے فریفتہ ہوئے۔قدیم دور سے ہی ہمارے سماج میں طوائف کے کردار کو ہمیشہ بری نظر سے ہی دیکھا جاتا رہا ہے، لیکن مصنف نے طوائف کے عشق سے معاشرے کے اونچ نیچ کو پرکھا اور تمام جوانی اپنے عشق کو ہوس کی صورت اختیار نہیں کرنے دی۔آپ بیتی میں مصنف اپنی محبوبہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

> "وہ مجھ سے قد میں تو ذرا بڑی تھی لیکن خوش رنگ شربتی آنکھیں۔سنتواں ناک۔پیاز کے بگھارے کی طرح ابرو اور چھریرا بدن۔جب وہ بولتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ ایک غیر مرئی لذت کانوں سے دل پر چھن رہی ہے۔"(۵)

احسان دانش نے آپ بیتی میں اپنی روداد عشق کو بڑی بہادری سے اوّل تا آخر بیان کیا ہے۔شمعی سے ان کا میل ملاپ ان کی زندگی کا اثاثہ ثابت ہوا کیونکہ شمعی پیشہ کے اعتبار سے ایک طوائف ضرور تھی لیکن اعلیٰ اخلاقی اقدار کی حامل لڑکی تھی۔وہ ظالم معاشرے کی گناہ آلود

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

سماجی زندگی سے فرار کا راستہ چاہتی تھی لیکن کوئی عزت دار انسان اس کا ہاتھ تھامنے کو تیار نہ تھا۔ شمعی سے تعلقات کی نوعیت، بے قراری، جذبات کی شدت، بے تکلفی کی گفتگو اور احساسات کا تبادلہ خیال قاری کو آپ بیتی میں ایک خاص قسم کی دل چسپی کا سامان فراہم کرتا ہے۔اس بارے میں ڈاکٹر سیّد عبداللہ بیان کرتے ہیں:

> ''جہانِ دانش'' میں عشق کا نمائندہ ہر حال میں اونچا انسان، مہذب انسان نظر آتا ہے۔اسے ہم کسی جگہ بھی حیوان ہوتا نہیں دیکھتے ۔"(۶)

احسان دانش نے آپ بیتی میں جا بجا اپنے دور کے سماجی حالات کو مفصل انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔کاندھلے سے ترک سکونت کے بعد جب مصنف لاہور میں مزدوری کی غرض سے قیام پزیر ہوئے تو یہاں پر اپنے ایک دوست صدیق کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے ٹبی بازار میں نامہ نویسی کا آغاز کیا۔لاہور شہر کی سماجی صورت حال کا اگر اس دور کے حساب سے جائزہ لیا جائے تو تب بھی جسموں کے کاروبار کو حقارت اور نفرت کی نظر سے ہی دیکھا جاتا تھا۔اس بازار میں مصنف کو بہت تگ ودو کے بعد ایک چکلے کے سامنے حجام کی دکان کے تھڑے پر نامہ نویسی کے لیے جگہ دستیاب ہو سکی۔جہاں پر آپ کو مختلف قسم کے لوگوں کی ذہنیت، سماجی شعور کی گراوٹ کا آنکھوں دیکھا تماشا اور کانوں سے سنا احوال معلوم ہوتا رہتا تھا۔مصنف چونکہ حساس طبیعت کے حامل تھے اس لیے وہ رات بھر یہی سوچتے رہتے تھے کہ صبح ہوتے ہی انہیں پھر سے جسموں کی خرید وفروخت کے بازار میں قلم دوات لے کر بیٹھنا ہو گا۔جہاں تماش بین لوگ اپنے جسم کی بھوک مٹانے آتے ہیں۔ مصنف کو اس بازار میں چلنے پھرنے والی خواتین گویا ایسے دکھائی دیتی تھیں جیسے ان کے جسموں اور روحوں کو شدید طوفان جھنجھوڑ کر گزر گیا ہو۔کبھی انہیں ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے وہ اپنے آپ کو کسی مچھلی منڈی میں نیلامی کے لیے لائے ہوئے ہوں۔مصنف اس بازار کے سماجی انحطاط کے روزوشب کی داستان کو الفاظ کے قالب میں ڈھالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''یوں تو کوٹھوں پر دن میں بھی ان آدمیوں کی آمد و رفت جاری رہتی تھی جن کے نفس کے کتے طوائفوں کی گندگی کے زہر میں ڈوبے ہوئے ٹکڑے کھا کر کوٹھے سے نیچے راہگیروں کو بھونکتے رہتے تھے لیکن شام کے وقت شہر کے کچھ شوقین مزاج اور دفتروں کے کچھ ملازمین بھی رشوتوں سے جیبیں کھنکھناتے زینوں میں جھانکتے پھرنے لگتے دریافت سے معلوم ہوا کہ ذرا رات گزرنے پر نااہل حکام اور چابک دست تاجر بھی اپنے دماغوں کا لرزتا ہوا مگر گندا پارہ یہاں کی متعفن کٹھالیوں میں چرخ دینے کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔بعض چھکے ہوئے سرمایہ دار اور بلند منصب شرابی انہی کوٹھوں سے صبح تک کے لیے یہ بار گناہ اپنی موٹروں میں بھی لے جاتے اور صبح کو واپس چھوڑ جاتے ہیں۔جیسے کارپوریشن کی گاڑی غلاظتوں کو اس کے مرکز پر پہنچا دیتی ہے۔''(۷)

احسان دانش نے لاہور کے اس بازار کی حقیقت جاننے کے لیے کئی بار راتوں کو جا کر اس بازار میں دیکھا اور سنی سنائی باتوں کو بالکل درست پایا۔رات کا اندھیرا ہوتے ہی کئی چراغ ٹمٹمانے لگتے اور جسموں کی خرید و فروخت کا بازار گرم ہونا شروع ہو جاتا تھا۔اس وقت وہ عورتیں غربت و افلاس کی ماری ہوئی ایسی مخلوق نظر آنے لگتی جنہیں مجبوراً اس ذلالت کے گڑھے میں اترنا ہی پڑتا تھا۔

آپ بیتی میں مصنف اپنے دور کے سماج پر بھی روشنی ڈالتے دکھائی دیتے ہیں کہ اہل اقتدار نے سماج کو تین طبقات میں تقسیم کر رکھا ہے۔پہلا طبقہ ایسا ہے جو اپنے عقبیٰ کے اصولوں پر یقین نہیں رکھتا اور اگر رکھتا بھی ہے تو صرف اور صرف دکھاوے کے لیے۔یہ ایسے لوگ ہیں جو اخلاق سے محروم، انصاف سے خالی اور رحم دلی ان میں نام کو نہیں ہے۔دوسرا طبقہ پس ماندہ، مزدوروں، محتاجوں اور افلاس زدہ لوگوں پر مشتمل ہے جو مذہب کے احکامات کو مانتا چلا جا رہا ہے۔لیکن آئے دن پستی کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔تیسرا طبقہ وہ ہے جس میں سفید پوش

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

لوگ ہیں جو غیرت کی خاطر کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کو شاید گناہ خیال کرتے ہیں۔ اصلاح اور ترقی اس طبقے کے سامنے ہے مگر ان کی ناکامیوں کی ذمہ داری سرکار کی ایسی پالیسیاں ہیں، جن کی وجہ سے وہ نامراد رہتے ہیں۔ اس طبقے میں سے چند لوگ اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں لیکن سماج ان کو جائز حق دینے سے قاصر رہتا ہے۔ مصنف کو ملک میں کوئی ایسی سیاسی جماعت بھی دکھائی نہیں دیتی جو پس ماندہ طبقوں کو ان کے جائز حقوق دینے کے لیے مسلسل آواز اُٹھا سکے۔ آزادی سے پہلے کی سیاسی صورت حال کو مصنف بیان کرتے ہیں:

> ''آج بھی ہر سیاسی شعبدہ باز اسی درمیانہ درجے کے چوک میں اپنی ڈگڈگی بجاتا اور ہر سپیرا یہیں اپنا پٹارا کھول کر بین کا لہرا شروع کرتا ہے، جس سے گلی محلے کے سنپولے مست ہو جاتے ہیں لیکن یہ معصوم طبقہ اس سے بے خبر ہے کہ سانپ کا ڈسا ہوا تو دوا دارو یا جھاڑ پھونک سے بچ بھی جاتا ہے لیکن ان سپیروں کا ڈسا ہوا پانی نہیں مانگتا۔''(۸)

احسان دانش قیام پاکستان کے سیاسی و سماجی عوامل اور صورت حال کو واضح کرتے ہوئے آپ بیتی میں تحریر کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے آزادی کی بہت بھاری قیمت ادا کی تھی۔ کئی کارکنان آزادی کو پھانسیاں لگیں، بہت سے قائدین کو جیل کی کال کوٹھڑیوں میں ڈال دیا گیا اور خواتین کے پرامن جلوسوں پر بلاوجہ لاٹھیاں برسائی گئیں۔ تشدد پسند ہندوؤں کی اصلیت اس وقت سامنے آئی جب انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ مظالم کا بازار گرم کیا۔ مسلمانوں پر ہندوؤں نے ثابت کر دیا کہ دو قومی نظریے میں ہی مسلمانوں کی بقاء ہے۔ چند مفاد پرستوں نے مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے آزاد خیالی اور عظمت انسانیت کا راگ آلاپا لیکن خودغرض اور تنگ نظر ہندو قائدین کی تخریبی سرگرمیوں اور متعصبانہ بداعمالیوں کی ایسی آندھی چلی کہ مسلمانوں کو ''ہندو مسلم بھائی بھائی'' کی پالیسی پر افسوس کرنا پڑا اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اب ان کا ہندوؤں کے ساتھ رہنا خطرات سے خالی نہیں۔

کانگریس پارٹی کی مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں اور تعصب پسند سوچ کے سبب مسلمانوں پر ان کی حقیقت آشکار ہوتی گئی۔ مسلم لیگ چونکہ کانگریس کی اسلام دشمنی کے نتیجے میں قائم ہوئی تھی اس لیے اس میں فرنگ پرستی بہت کم تھی۔ بعد میں یہی جماعت مسلمانان ہند کے سیاسی و سماجی اور معاشی مسائل کو حل کرنے کی خاطر بھرپور انداز میں قائداعظم محمد علی جناح کی سربراہی میں میدانِ عمل میں آ چکی تھی۔ قائداعظم پر بہت جلد یہ آشکار ہو چکا تھا کہ ہندوستان میں متحدہ قومیت کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے گا اور مفاہمت کی مزید کوششیں کی گئیں تو آپس کے مناقشات بہت زیادہ بڑھ سکتے ہیں۔ قائداعظم نے نظریہ پاکستان کو بھرپور انداز میں پیش کیا اور مسلمانوں کو یہ باور کروانے میں کامیاب ثابت ہوئے کہ ہندو مسلم میں صرف مذہب کا فرق ہی نہیں بلکہ ہندوؤں کی روایتی ہٹ دھرمی نے دوسرے تمام مذاہب کے خلاف خود کو منظم کر لیا ہے۔ قائداعظم کے ان خیالات پر ہندو راہنما بہت سیخ پا ہوئے اور مسلمانوں کے خلاف میدان عمل میں آ گئے۔ مگر قائد مسلمانوں کے لیے ایک الگ نظریاتی ملک بنانے کے لیے بھرپور تگ و دو کرتے رہے کیونکہ انہیں یقین کامل تھا کہ مسلمان قرآن کے احکامات پر عمل پیرا ہو کر سیاسی اور سماجی اعتبار سے ترقی کی منازل جلد طے کر سکتے ہیں۔ مصنف قیامِ پاکستان کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

> ''۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کی رات کو پاکستان کے قیام کا اعلان ہو رہا تھا اور تصورات و یقینات کا مجسمہ قائداعظم کی معرفت ایک نیا ملک مثالی ثقافت اور تابندہ تصور کی بنیادوں پر عالم وجود میں آ گیا۔ کسے معلوم نہیں اسلام اپنے یہاں تعصب کو راہ نہیں دیتا وہ تو مفتوحہ قوموں کے مذہبی اقدار و شرافت کی حفاظت کرتا ہے اور دشمنوں کی دل شکنی کو بھی روا نہیں رکھتا وہ کسی کو عورتوں، بچوں اور بیماروں پر ہاتھ اُٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔''(۹)

مصنف نے جہاں شاعر و ادیب حضرات کے ساتھ ہندوستان کے مختلف شہروں میں منعقدہ مشاعروں کا احوال بیان کیا ہے، وہاں نامور شخصیات کا بھی مکمل تعارف پیش کیا ہے۔ مصنف نے بہت سے احباب کے خاکوں کو بھی بطور خاص شامل کیا ہے جن میں شورش کاشمیری، م۔ حسن

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

لطیفی، مولانا تاجور نجیب آبادی، نوح ناروی، قاضی محمد ذکی، اصغر جنگ، سردار کرپال سنگھ، مرزا شفاعت بیگ اور سردار سوہن سنگھ شامل ہیں۔

احسان دانش کی آپ بیتی میں جہاں بھرپور انداز میں سیاسی صورت حال کو جابجا بیان کیا ہے وہاں بھرپور انداز میں ہندوستان کے سیاسی، سماجی اور مذہبی تناظرات کو بھی موثر انداز میں آپ بیتی کا حصہ بنایا ہے۔ مصنف "جہان دانش" میں سیاست اور مذہب کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

> ''میں اس کتاب میں دیدہ و دانستہ سیاست کے اونچ نیچ اور مذہب کے رموز و غوامض کی طرف بلند بانگ ہو کر نہیں آیا اور نہ خود کو اس کا اہل خیال کرتا ہوں میں تو صرف محبت کا بندہ ہوں اور خلوص کو انسانیت کا زیور گردانتا ہوں۔"(۱۰)

احسان دانش کی تمام تصانیف میں سے معروف ترین تصنیف ان کی آپ بیتی ہے(۱۱) جو کہ ایک مزدور کی دلیرانہ داستان حیات ہے۔اس میں انسانی زندگی کو درپیش بنیادی سماجی مسائل کی نشان دہی کی گئی ہے۔ مصنف نے اپنی سرگزشت میں معاشرتی مثالیں پیش کر کے مدلل طریقے سے ثابت کیا ہے کہ افلاس کو کم کیے بغیر اقوام ترقی کی منازل کے خواب کو شرمندہ تعبیر نہیں کر سکتی۔ مصنف کی زندگی جبر مسلسل کی ایک واضح تصویر ہے جس کو سرگزشت کے صفحات پر دیکھا جا سکتا ہے۔ جس میں کہیں بھی مصنف نے اپنے آپ کو گناہوں سے پاک صاف ثابت کرنے کی سعی کی ہو اور نہ ہی خود فریبی کے ذریعے کوئی ابہام کیا ہے(۱۲)

ڈاکٹر تحسین فراقی احسان دانش کی داستان حیات پر اپنا تبصرہ پیش کرتے ہیں:

> "جہان دانش، ایک بڑے آدمی کی سرگزشت ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عزم و ہمت، صداقت و حوصلہ، جرات ایمانی کا سرمایہ اگر ہم سفر ہو تو عظمت و شہرت محض چند قدم کے فاصلے پر ہے اور یہ سب حقائق جاندار مکالموں اور اعلیٰ محاکات کے جلو میں منکشف ہوتے ہیں۔ اردو میں اس سے بہتر آپ بیتی اب تک نہیں لکھی گئی۔"(۱۳)

احسان دانش کی خودنوشت سوانح حیات میں بآسانی دیکھا جا سکتا ہے کہ ان کا علم اکتسابی کی بجائے مشاہداتی اور تجرباتی ہے اس لیے آپ بیتی میں مصنف سماجی مسائل کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔ چونکہ ہمارے ہاں معاشرتی تفاوت اور امتیازات کا چلن ہے اس لیے مصنف اپنی نظم و نثر میں اس روایتی قسم کے ظلم و جبر کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے اور انقلابی نظریات کے پرچارک کے طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بیتی قاری کے دل و دماغ پر جہد مسلسل کے اثرات رقم کرتی ہے۔(۱۴)

حوالہ جات

۱۔ احسان دانش، جہانِ دانش، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۲ء، ص:۱۱

۲۔ احسان دانش، جہانِ دانش، ص:۱۴۰

۳۔ احسان دانش، جہانِ دانش، ص:۲۰۹

۴۔ پرویز پروازی، ڈاکٹر، مشمولہ: علامت، لاہور، جلد۹، جولائی ۱۹۹۸ء، ص:۳۸

۵۔ احسان دانش، جہانِ دانش، ص:۳۶

۶۔ سیّد عبداللہ، ڈاکٹر، وجہی سے عبدالحق تک، لاہور: مکتبہ خیابان ادب، ۱۹۷۷ء، ص:۳۳۱

۷۔ احسان دانش، جہانِ دانش، ص:۲۳۱

۸۔ احسان دانش، جہانِ دانش، ص:۴۸۹

۹۔ احسان دانش، جہانِ دانش، ص:۵۹۵

۱۰۔ احسان دانش، جہانِ دانش، ص:۱۳

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

۱۱۔ جمیل احمد عدیل، سیاق وسباق، لاہور: عمیر پبلیشرز، ۱۹۹۵ء، ص:۶۳

۱۲۔ جمیل احمد عدیل، سیاق وسباق، ص:۵۶

۱۳۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، آپ بیتی عبدالماجد دریابادی، مشمولہ اردو ادب بیسویں صدی میں، مقبول اکادمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص:۲۰۱

۱۴۔ غفور شاہ قاسم، پاکستانی ادب۔شناخت کی نصف صدی، راول پنڈی: ریز پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص:۲۸۷

ماخذ:

۱۔ احسان دانش، جہانِ دانش، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۲ء

۲۔ پرویز پروازی، ڈاکٹر، مشمولہ: علامت، لاہور، جلد۹، جولائی ۱۹۹۸ء

۳۔ سیّد عبداللہ، ڈاکٹر، وجہی سے عبدالحق تک، لاہور: مکتبہ خیابان ادب، ۱۹۷۷ء

۴۔ جمیل احمد عدیل، سیاق وسباق، لاہور: عمیر پبلیشرز، ۱۹۹۵ء

۵۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، آپ بیتی عبدالماجد دریابادی، مشمولہ اردو ادب بیسویں صدی میں، مقبول اکادمی، لاہور، ۱۹۸۸ء

۶۔ غفور شاہ قاسم، پاکستانی ادب۔شناخت کی نصف صدی، راول پنڈی: ریز پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء